عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کا فقہی سرمایہ
عربی مخطوطات کا ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

علم فقہ کو اسلامی علوم میں بہت ابتدا ہی سے ایک اہم مضمون کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا نشو و نما اور ارتقا صرف اسلامی دنیا کے اہم مراکز میں نہیں ہوا بلکہ اس کی نشر و اشاعت اور فروغ و ترقی کے منابع و مصادر پوری مسلم دنیا کے معروف علاقے رہے ہیں، دوسری اور تیسری صدی ہجری علم فقہ کی ترقی اور فروغ کے لیے بہت اہم ادوار تصور کیے جاتے ہیں کیونکہ اسی زمانے میں فقہ اسلامی کے چار مشہور مسالک وجود میں آئے جو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مکاتب فکر کی حیثیت سے معروف و متداول ہوئے۔ ان چاروں مکاتبِ فکر کی اہم کتب مدوّن ہوئیں اور ان کے علماء نے انھیں پوری دنیائے اسلام میں زندہ و جاوداں کر دیا۔[1]

اگرچہ بعد کے ادوار میں، فقہ اسلامی کی دنیا پر جمود و تعطّل اور تقلید کی حکمرانی رہی تاہم بے شمار فقہاء نے اجتہادی ذوق اور صلاحیت کا ثبوت دیا اور مختلف انداز میں فقہ کی خدمت انجام دی۔ دولتِ عباسیہ کے زوال کے بعد بہت سی خودمختار مسلم ریاستیں وجود میں آئیں خصوصاً ایشیا اور افریقہ کے مختلف حصوں میں۔ ان آزاد ریاستوں نے فقہ کو اہم مضمون کا درجہ دیا۔ وسطی ایشیا کے مختلف ممالک کے دبستانِ علم و فضل میں فقہ کو کلیدی حیثیت حاصل رہی۔ اس کے نتیجے میں اس فن کے بے شمار اکابر اور علماء وجود میں آئے۔ مذکورہ علاقے

---

[1] المحامی صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، دار الکشاف، دمشق، ۱۹۵۲ء ص ص ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۲۰۴، الشیخ محمد الخضری بک، تاریخ التشریع الاسلامی، قاہرہ، ۱۹۳۹ء ص ص ۱۸۱، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۶۰، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۹

کے علماء نے عہدِ سلطنت کے ہندوستان میں اپنی علمی کاوشوں اور محنت سے ہندوستان کے بابِ فقہ کو مالا مال کر دیا۔ ذیل کے صفحات میں عہدِ سلطنت، عہدِ مغلیہ اور مابعد کے ہندوستان کی فقہی خدمات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان میں علم فقہ کا آغاز دراصل سندھ کے علاقے میں ۷۱۲ عیسوی سے ہوتا ہے۔ جب اس علاقے کو مسلم حکمراں محمد بن قاسم نے فتح کیا۔ عرب حکمرانی کے اس دور میں بہت سے عرب علماء آئے اور سندھ کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان علماء کرام کی اکثریت علم تفسیر اور حدیث کی واقف کار تھی لیکن جن علماء عظام نے فقہ و متعلقاتِ فقہ میں شہرت حاصل کی ان میں نمایاں نام یہ ہیں: ابو معشر سندھی (م ۳۹۹ھ/۱۰۰۸ء)[1] احمد بن سعید المالکی الحمذانی الہندی الفقیہ (م ۳۹۹ھ/۱۰۰۸ء)[2] الحسن علی بن حسن الفقیہ الداوری السندی (م ۴۴۵ھ/۱۰۵۲ء)[3] محمد بن احمد بن محمد السندی (م ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء)[4] بنیادی طور پر سرزمینِ ہند میں علم فقہ کی ترقی و استحکام کا دور تاریخی طور پر ۱۲۰۶ء سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہیں سے عہدِ سلطنت کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس زمانے میں وسطی ایشیاء سے فقہاء و فضلا کی آمد شروع ہوئی۔ حکومتی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بھی ان کی ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ سلاطین کی سرپرستی نے اس رجحان کو تقویت پہونچائی۔ فقہاء کی ذاتی محفلوں اور مدارس میں علم فقہ نصابِ درس کا اہم جزو بن گیا اور رفتہ رفتہ یہ مضمون طلباء اور ماہرینِ علم و فضل کے بحث و مباحثہ کا خاص موضوع بنتا چلا گیا۔ نیز علماء کی مجلسوں، صوفیاء کی خانقاہوں اور سلاطین کی عدالتوں میں اس علم کی قدر و منزلت محسوس کی جانے لگی۔ معاصر "ہندوستانی و بیرونی" علماء نے مدرسین، مصنفین اور مؤلفین کی فقہی خدمات کو خصوصی اہمیت دی۔ بعض عرب مورخین کی شہادت ہے کہ تغلق سلاطین کے عہدِ حکومت میں صرف دہلی میں تقریباً ایک ہزار مدارس تھے اور

---

[1] ریاست علی ندوی، عہدِ اسلامی کا ہندوستان، ادارۃ المصنفین، پٹنہ ۱۹۵۰ء، ص ۵۵

[2] قاضی اطہر مبارک پوری، رجال السند والہند الی القرن السابع، کٹلیری بازار بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۵۶

[3] محولہ بالا، ص ۱۰۴ [4] محولہ بالا ص ۲۰۶

ان نظام کے اندر فقہ و فتاویٰ کی تعلیم مسلکِ حنفی کے مطابق دی جاتی ہے۔[۱] معاصر تاریخی دستاویزات میں مذہبی اداروں اور اساتذہ کا تذکرہ جہاں کہیں آتا ہے اس موضوع کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ عہدِ سلطنت کے مدارس کے نصاب میں فقہ کی جو کتب شامل تھیں وہ درج ذیل ہیں: ابوالحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی (م ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء) کی القدوری، برہان الدین علی بن ابوبکر المرغینانی (م ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۶ء) کی الہدایہ، حسام الدین محمد (م ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء) کی الحسامی، بزدوی علی بن احمد (م ۴۸۲ھ/۱۰۸۹ء) کی البزدوی۔ امام مظفر الدین ابن ساعاتی (م ۶۹۴ھ/۱۲۹۴ء) کی مجمع البحرین اور ابوالبرکات النسفی (م ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء) کی المنار۔[۲]

عہدِ سلطنت کی فقہی خدمات

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ عہدِ سلطنت میں صوفیاء نے بھی فقہ سے خصوصی دلچسپی لی اور اس کے گیسو سنوارے اور اپنی مخصوص مجالس میں بے شمار مسائل کا حل شریعت کی روشنی میں تلاش کرنے کی سعی فرمائی چنانچہ شیخ نصیر الدین احمد چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کے شاگردِ رشید شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) کو ان کی مخصوص قابلیت اور دلچسپی کی بنا پر حنیفہ ثانی کا خطاب دیا گیا۔[۳] اسی طرح شیخ نظام الدین اولیاء کے بعض خوشہ چیں اصحاب مثلاً فخر الدین زرادی (معاصر سلطان محمد تغلق) اور قاضی محی الدین کاشانی اور شیخ حسام الدین نے علم فقہ کی توسیع و اشاعت میں حصہ لیا اور خاصی شہرت حاصل کی۔[۴] سلطان محمد تغلق کے عہد کے بعض دیگر صوفیائے کرام نے فقہی کتب کی تالیف کے ذریعہ اس فن کی خدمت انجام دی،

۱۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ، قاہرہ، ۱۹۱۵ء، حصہ پنجم ص ۶۹، شہاب الدین العمری، مسالک الابصار، انگریزی ترجمہ علیگڑھ، ۱۹۴۳ء، ص ۴۴، مزید دیکھئے عزیز احمد: این انٹلکچول ہسٹری آف اسلام ان انڈیا، اڈنبرگ، ۱۹۶۹ء، حصہ ہفتم ص

۲۔ عبدالحئی، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، دمشق، ۱۹۵۸ء، ص ۱۱

۳۔ حمید قلندر، خیر المجالس، ترجمہ و تصحیح خلیق احمد نظامی، علیگڑھ، ۱۹۵۹ء، ص ص ۱۲، ۳۸

۴۔ امیر خورد، سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۰۲ھ، ص ۲۵۶

مثلاً شیخ یوسف گدائی نے تحفۃ النصائح لکھی۔ اسی طرح شیخ رکن الدین نے ترقۃ الفقہاء سیر قلم کی سلسلۂ سہروردی کے مشہور صوفی شیخ فضل اللہ ماجو نے فتاوائے صوفیاء تصنیف کی جس نے معاصر علماء کے مابین بعض فقہی اختلافات ابھار دئے تھے[۱]

ایک خاص بات یہ ہے کہ عہدِ سلطنت کے سلاطین جن علماء کی سرپرستی فرمائی ان کی اکثریت کا تعلق فقہاء کے زمرے سے تھا اس وجہ سے حکومت کے زیرِ کفالت مدارس میں فقہ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ ایک اہم بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ سلاطین جب انتظام حکومت کے سلسلے میں دہلی سے باہر کسی سفر پر روانہ ہوتے تو فقہاء کی ایک مخصوص جماعت کو اپنے ساتھ رکھتے اور مختلف شرعی مسائل پر راستہ بھر ان سے اخذ و استفادہ کرتے جاتے تھے[۲] مزید تاریخی معلومات سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سلاطین حکومتی معاملات میں فقہاء کی آراء معلوم کرنے میں اپنی خفت نہیں محسوس کرتے تھے، وہ فقہاء، مفتیان اور قضاۃ سے طویل علمی گفتگو فرماتے اور حکومت یا سماج کو درپیش مسائل کے حل کرنے میں ان کے تعاون کے خواستگار ہوتے۔ مثلاً علاء الدین خلجی (عہدِ حکومت ۱۲۹۲-۱۳۱۶ء) نے ایک موقع پر قاضی مغیث سے بیت المال میں سلطانِ وقت اور اس کے اہل و عیال کے حصہ، غلط اور گمراہ حکومتی کارندوں کی سزا اور ہندوؤں کی شرعی حیثیت کے مسئلہ وغیرہ پر طویل بحث کی[۳]

تغلق سلاطین میں محمد بن تغلق (عہد ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) تعقل پسندی اور روشن خیالی کے لیے مشہور رہا ہے تاہم معاصر تاریخی حوالوں سے یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اس نے فقہِ اسلامی کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ یہ

---

[۱] فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء، ص ۳۰۵، خلیق احمد نظامی، سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۸ء، ص ۳۸۹

[۲] منہاج السراج، طبقات ناصری، کابل، ۱۹۶۴ء، ص ۱۷۵، یحییٰ سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ ۱۹۳۱ء ص ص ۱۱۵، ۱۱۶، شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ص ص ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۳۰-۱۳۰۔

[۳] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ص ۲۹۰ - ۲۹۶

بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس کے دربار سے تقریبًا ایک سو فقہاء منسلک تھے، جن کے ساتھ وہ دسترخوان پر شرعی موضوعات پر مذاکرہ و مباحثہ کیا کرتا تھا[1] ضیاء الدین برنی کے قلم سے سیاسی جرائم اور ان کی سزاؤں کے بارے میں سلطان مذکور کی تفصیلی بحث تاریخ کے صفحات میں رقم ہے[2] محمد بن تغلق نے بعض فاضل فقہاء کو دیگر اسلامی ممالک سے ہندوستان آنے کی دعوت دی اور ان کی دلچسپی کے میدان میں فکر و عمل کی آزادی دے کر ان کی خدمات حاصل کیں، مثلاً برہان الدین سمرقندی اور قاضی مجد الدین شیرازی اس کی دعوت پر ہندوستان آئے۔ اس مقصد کے لیے سلطان نے باوقار طریقہ اختیار کیا جو اس کی علم دوستی اور علماء کی تکریم کی دلیل ہے۔ اس نے اپنے خصوصی سفیر کو تحائف اور زادِ سفر دے کر بھیجا[3] عہد سلطنت کے علم پرور سلطان فیروز شاہ تغلق کا زمانہ (۱۳۵۱ - ۱۳۸۸ء) فقہی خدمات کے لیے اہم ترین مانا جاتا ہے۔ اس نے فقہاء کے سلسلے میں اپنے فراخ دلانہ رویّہ کے ذریعہ اس علم کو فروغ و استحکام بخشا، فقہاء کو ایسے مواقع فراہم کیے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ حکومتی و سیاسی مسائل میں اپنی رائے دے سکیں چنانچہ وہ بارہا علماء سے مختلف موضوعات پر مباحثہ کیا کرتا تھا[4] ان میں سے چند معروف فقہاء کے نام یہ ہیں: مولانا احمد تھانیسری صدر الدین یعقوب، مولانا خواجگی، عالم بن العلا الحنفی، عبد المقتدر شریحی اور جلال الدین رومی[5] سلاطین کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ وہ دہلی کے علماء کی مخصوص مجالس کا انعقاد کیا کرتے تھے تاکہ اہم اور اختلافی مسائل میں ان کی اجتماعی آراء کا علم ہو سکے۔ اس طرح کی مجالس جنھیں محضر کہا جاتا تھا ان کا قیام سلطان التتمش، سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے ادوار میں ہوتا رہتا تھا سلطان فیروز شاہ

---

[1] صبح الاعشیٰ، حصہ پنجم ص ۹۵

[2] ضیاء الدین برنی، ص ص ۲۹۰ - ۲۹۶، ۵۱۰ - ۵۱۱

[3] ابن بطوطہ، الرحلۃ، قاہرہ، ۱۹۲۸ء، ص ۴۴، مسالک الابصار ص ۹۵ - ۹۷

[4] ضیاء الدین برنی، ص ۵۵۹، عفیف، ص ۱۷۹

[5] ضیاء الدین برنی ص ص ۴۶۴ - ۴۶۵

دہلی کے فقہاء کی مجلس منعقد کرنے میں خصوصی دلچسپی لیتا تھا، تاکہ پیش آمدہ حکومتی مسائل کا حل شریعت کی رہنمائی میں کیا جا سکے۔ مثلاً ایک مجلس میں حل طلب مسائل یہ تھے: سربراہِ مملکت اضافی ٹیکس عائد کر سکتا ہے یا نہیں؛ ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقے (برہمن) پر جزیہ عائد کرنے کا مسئلہ جو گذشتہ زمانے میں اس سے بری تھے وغیرہ[1]

ہندوستان میں عربی زبان میں کتبِ فقہ کی تصنیف و تالیف کا دور سندھ میں عرب حکومت کے قیام کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کے پہلے مصنف جن کا سراغ تاریخی حوالوں میں ملتا ہے علی بن احمد بن محمد دیبلی (م ۳۵۴ھ/۹۶۵ء) ہیں۔ آپ نے ایک کتاب عدالت و قضاء کے موضوع پر لکھی جس کا عنوان کتاب آداب القضاء ہے[2] سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) جس کی ہندوستان میں فوج کشی بارہویں صدی عیسوی کے پہلے نصف میں ہوئی، بعض فقہی تصنیفات کے لیے مشہور ہے۔ چنانچہ کتاب التفرید فی الفروع کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے[3] اسی عہد کی دوسری تصنیف "مجموعہ سلطانی" سلطان مذکور کے نام معنون ہے[4] عہدِ سلطنت کے ابتدائی دور کے مشہور مصنف حسن بن محمد الصغانی اللاہوری البغدادی (م ۶۳۷ھ/۱۲۲۹ء) ہیں۔ آپ نے حج اور میراث کے عنوانات پر دو الگ کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے نام ہیں: زبدۃ المناسک اور کتاب الفرائض[5]

فتاویٰ کے مجموعے فقہی کتب کا اہم حصہ ہیں۔ فن فتاویٰ میں عہدِ سلطنت کے علماء نے دلچسپی لے کر انتہائی قیمتی معلومات فراہم کیں جو بعد کے دور میں مراجع و مصادر کے

---

[1] عفیف، ص ۳۸۳-۳۸۴

[2] محمد عبدالقادر، الجواہر المضیئۃ، حیدرآباد، ۱۳۳۲ھ، جلد دوم ص ۱۵۷ (۴۸)

[3] عبدالحی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۶۲ء، جلد اول ص ۶۹، محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، لاہور ۱۹۷۴ء، جلد اول ص ۱۰۷۔

[4] محمد ظفیر الدین، تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۷۰ء، جلد اول ص ۲۹۹ نمبر (۲۶) ۱۴۵/۳۸۲، ظفر الاسلام، سوشیو اکنامک ڈائمنشن آف فقہ لٹریچر ان میڈیول انڈیا، لاہور ۱۹۹۰ء ص ۵۔

[5] محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، حصہ اول ص ۱۳۵۔ لاہور، ۱۹۷۴ء۔

طور پر استعمال میں آتی رہیں۔ اس دور کا قدیم ترین مجموعۂ فتاوی عربی زبان میں "الفتاوی الغیاثیہ" ہے[۱] اس کے مصنف شیخ داؤد بن یوسف الخطیب ہیں۔ انھوں نے اسے سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ - ۱۲۸۷ء) کے نام معنون کیا تھا۔ بعد کے ادوار میں فتویٰ نویسی کا رواج و رجحان جاری رہا خصوصاً فیروز شاہ تغلق کا عہد اس فن کے استحکام کے لیے معروف ہے۔ چنانچہ فتاویٰ فیروز شاہی (بزبان فارسی) اور فتاویٰ تاتارخانی (بزبان عربی) اس دور کی اہم ترین یادگار ہیں۔ ان دونوں مجموعوں میں بے شمار ان سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے جو اس دور میں حل طلب تھے۔ عہد سلطنت میں مرتب ہونے والے دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق الغزنوی الحنفی (م ۷۷۳ھ/۱۳۷۱ء) کی فتاوی قاری الہدایہ[۲]، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۸ھ/۱۴۶۹ء) کی فتاویٰ ابراہیم شاہی[۳]، قاضی جکن گجراتی (م ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء) کی خزانۃ الروایات[۴] وغیرہ۔ مؤخرالذکر کتاب عہدِ سلطنت کے مسائل کا فقہی انداز میں حل پیش کرتی ہے۔ نیز فقہ حنفی کے معروف مراجع مثلاً الطحاوی، الہدایہ، فتاویٰ ظہیریہ اور فتاویٰ خانیہ وغیرہ کو بطور سند پیش کرتی ہے۔

عہدِ سلطنت کی فقہی کاوشوں کا ایک روشن باب شروح و حواشی کا میدان ہے۔ اس کے لیے حنفی مکتبِ فقہ کی ان نمائندہ کتب کا انتخاب کیا گیا جو عموماً اس دور کے مدرسی نصاب

---

[۱] ظفر الاسلام، ہمدرد اسلامیکس، سہ ماہی، ہمدرد فاؤنڈیشن، پاکستان، ۱۹۹۷ء، XX : I، اوریجن اینڈ ڈیولپمنٹ آف فتاوی کمپائیلیشن ان میڈیول انڈیا: جلد ۲ شمارہ ۱ ص ۸۔ فہرست کتب خانہ ریاست، رامپور مرتبہ احمد علی خاں شوق رام پوری، میں اس فتاویٰ کا انتساب غلطی سے غیاث محمد سلطان بن ملک شاہ سلجوقی کی طرف ہو گیا ہے جس نے شام اور آذربائیجان میں ۱۹۰۵ء کے قریب حکمرانی کی تھی۔ دیکھئے جلد دوم ص ۳۸۲ نمبر ۲۹۶۹/۶۸۶۔ فتاویٰ غیاثیہ، المطابع الامیریہ، بولاق (مصر) سے ۱۹۰۲ء میں چھپ چکا ہے جس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔

[۲] مخطوط، رامپور لائبریری، کتب خانہ ریاست رامپور جلد اول ص ۲۲۷ نمبر ۳۹۸، کل اوراق ۴۷

[۳] ملاحظہ ہو مخطوط خدا بخش لائبریری، پٹنہ نمبر ۱۷۴۹، دارالعلوم نمبر ۴، ۳۰/۶۸، رامپور نمبر ۵۲-۳۵۱۔ آصفیہ نمبر ۱۱۷/۲

[۴] خزانۃ الروایات کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، یونیورسٹی، عربیہ مذہب (۲) نمبر ۶۶ کے تحت دیکھا جا سکتا ہے جس کے کل اوراق ۱۹۵ ہیں۔

کا حصہ تھیں ۔ اس کے پیچھے جو داعیہ کارفرما تھا وہ یہ کہ متداول اور اہم فقہی کتب کے مباحث کی آسان تفہیم اور اس کی مشکل عبارتوں کی وضاحت کر دی جائے ۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت ہدایہ، وقایہ، اصول بزودی اور المنار کی بہت سی شروح وحواشی وجود میں آئیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ہدایہ اور وقایہ کی ایک درجن سے زائد شروح ہندوستانی علماء کے قلم سے نکلیں[1] اس دور میں تصنیف ہونے والے کتابچوں اور رسائل کا میدان بھی کافی وسیع ہے ۔ یہ رسائل اس دور میں علماء کے درمیان زیرِ بحث مسائل اور اختلافی امور کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ۔ مثال کے طور پر مسئلہ سماع اس دور کے علماء کے درمیان بحث کا موضوع بنا ہوا تھا ۔ اس پر فخر الدین زرادی نے 'کشف القناع من وجوہ السماع' لکھی جبکہ اسی موضوع پر دوسری کتاب 'رسالہ اباحۃ السماع' سلیمان زکریا ملتانی نے تصنیف کی[2] اسی طرح بعض کتابچے میراث کی تقسیم کے سلسلہ میں مرتب ہوئے جن سے مسلم سماج کے بیشتر افراد کو سابقہ پیش آتا ہے اس ذیل میں کتاب الفرائض کا نام لیا جا سکتا ہے جو حسن بن محمد الصغانی (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) کی کوشش کا نتیجہ ہے[3]

اصولِ فقہ، افتاء، قضا اور حسبۃ کے موضوعات پر بھی علماءِ عہدِ سلطنت نے توجہ دی اور ان پر متعدد کتابیں تصنیف کیں ۔ چند نمائندہ کتب کے نام یہ ہیں: محمد بن عبدالرحیم کی الفائق فی اصول الدین، ابو حامد محمد بن محمد الخطیب کی صنوان القضاء

---

[1] عبدالحیٔ، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند (دمشق، ۱۹۸۵ء)، ص ص ۱۰۵-۱۰۷

[2] فقہاءِ ہند اول، ص ۲۶۴، رحمان علی، تذکرہ علماءِ ہند، مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۴ء ص ۱۶۰

[3] غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکرام حیدرآباد' ۱۹۱۳ء، اول، ص ص ۱۸۰-۱۸۲ ۔ غلام علی آزاد بلگرامی' سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، علی گڑھ' ۱۹۷۶ء، ص ص ۲۸-۲۹ ۔ تذکرہ علماءِ ہند ص ۱۶۲ ۔ حدائق الحنفیہ ص ص ۲۵۲-۲۵۵ ۔ صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، مطبع صدیقی، بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ص ص ۸۹۰-۸۹۱، نزہۃ الخواطر اول ص ۱۰۵، فقہاءِ ہند اول ص ۱۸۴۔

وعنوان الافتاء[1] اور قاضی ضیاء الدین عمر الحنفی کی نصاب الاحتساب[2] وغیرہ۔ اس عہد کی بعض فقہی تالیفات کے ذریعہ فقہ حنفی کے امتیازی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسالک فقہ کے مابین پائے جانے والے اختلافات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سراج الدین الحنفی (م ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء) کی کتاب زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمۃ الاعلام[3] اور ابو حفص سراج الدین (م ۸۴۶ھ/۱۴۴۲ء) کی الغرۃ المنیفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ[4] وغیرہ اس طرز کی نمائندہ تصنیفات ہیں۔

عہدِ سلطنت کی فقہی کتب کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کی تصنیف عموماً حنفی نقطۂ نگاہ سے کی گئی ہے اور ابتدائی دور کی فقہی کتب حوالوں کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ برصغیر ہند و پاک کے فقہی ذخیرے میں حنفی نقطۂ نظر کے غلبہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس دور میں عموماً جو علما، بیرونی ممالک سے آئے یا بلائے گئے ان کی اکثریت امام اعظمؒ کی پیروکار تھی۔ ابتدائی زمانوں میں جن علما نے ہندوستان کی مذہبی زندگی اور علمی حلقے پر اپنے اثرات ڈالے وہ زیادہ تر مرکزی ایشیا اور ماوراء النہر

۱۔ محمد نظام الدین، کیٹلاگ آف عربک مینی اسکرپٹ ان دی سالار کلکشن، دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۷۲ء، مخطوط نمبر ۲۱/۱۰، نیز دیکھیے محمد ظفیر الدین، تعارف مخطوطات جلد اول ص ۱۸۸۔

۲۔ اے۔ آر۔ بیدار، کیٹلاگ آف دی عربک اینڈ پرشین مینی اسکرپٹ ان دی خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۴ء، جلد ۳۳ ص ۱۲، مخطوط نمبر ۱۷۱۴، تعارف مخطوطات اول ص ۲۱۰

۳۔ اوٹو لوتھ، اے کیٹلاگ آف دی عربک مینی اسکرپٹس ان دی لائبریری آف دی انڈیا آفس، لندن ۱۸۷۷ء، حصہ دوم ص ۱۸۷۵، کل اوراق ۱۲، ایم۔ مظفر الحق اور ایم اسحاق، کیٹلاگ آف عربک مینی اسکرپٹس ان دی کلکشن آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۹۵۱ء، نمبر ۴۸۲، نیز ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر، دوم ص ۹۲، زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، (اردو ترجمہ از شاہد حسین رزاقی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۹۳، شمس تبریز خاں، عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۹ء، ص ۱۹۳

۴۔ تصدق حسین نیشاپوری، فہرست کتب عربی، فارسی و اردو، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، سرکار عالی، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد حصہ اول ص ۴۱، حصہ دوم ص ۱۰۹۶۔

سے آئے جہاں فقہ حنفی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار تھی[۱] چنانچہ ترک سلاطین خود بھی امام اعظم کے شیدائی تھے اور اپنے عہدِ حکمرانی میں تدوینِ قانون اور نفاذِ شریعت کے لیے اسی فقہ کو بنیاد بنایا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس عہد میں دیگر مسالکِ فقہ بھی قائم و دائم رہے اور ان کے فاضل علماء وفقہاء نے اپنے مسلک کے اعتبار سے کتب بھی تصنیف کیں لیکن تمام مسائل میں فقہ حنفی کو جو ترجیحی مقام حاصل رہا وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکا۔[۲] دہلی سلاطین کی مذہبی رواداری کا یہ روشن باب ہے کہ وہ اپنے مخصوص مسلک پر تقلیدِ جامد کے شکار نہیں ہوئے بلکہ وسعت قلبی وعدم تعصب کا ثبوت ان کے رویے سے عیاں ہوتا ہے چنانچہ مشہور صوفی بزرگ مولانا فریدالدین علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت (۱۲۹۶-۱۳۱۶عیسوی) میں اودھ کے شیخ الاسلام کے منصب پر فائز گئے[۳] اسی طرح ابن بطوطہ مالکی، محمد بن تغلق کے عہدِ حکومت میں دہلی کے قاضی مقرر ہوئے۔[۴] عہد سلطنت میں فقہی سرمایہ کا اکثر حصہ عربی زبان میں تیار کیا گیا کیونکہ بیرونی علماء فارسی کے مقابلہ میں عربی زبان سے زیادہ مانوس تھے، چنانچہ اسلامی موضوعات کے لیے انھوں نے اس زبان کو ترجیح دی لیکن جوں جوں فارسی زبان عوامی وسرکاری ہوتی گئی فقہی کتب کی تیاری میں علماء کا رجحان بھی عربی کی جگہ فارسی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

عہدِ مغلیہ کی فقہی خدمات

برصغیر ہند و پاک پر مغل حکمرانوں کی حکومت تقریباً تین سو سال (۱۵۲۶-۱۸۵۷ء)

۱؎ ضیاء الدین برنی ص ۲۹۰۔ صبح الاعشیٰ ص ۶۹، مسالک الابصار ص ۲۷، سوشیو اکنامک ڈائمنشن آف فقہ لٹریچر ان میڈیول انڈیا، ص ص ۱۔۵

۲؎ عالم بن العلا اندرپتی، الفتاویٰ التاتارخانیہ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۸۴ء، اول ص ص ۱۷۹، ۲۲۱ دوم ۵۷، ۸۲، چہارم ۱۸، ۱۵۴، قاضی حکن گجراتی، خزانۃ الروایات، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ یونیورسٹی عربیہ مذہب (۲) نمبر ۶۶ ورق ۲۱ ب، ۲۷ ب، ۶۶ الف

۳؎ امیر خورد، سیرالاولیاء، دہلی، ۱۳۰۲ھ، ص ۲۸۵۔

۴؎ ابن بطوطہ، الرحلۃ، قاہرہ، ۱۹۲۸ء، ص ص ۸۱ - ۸۲

تک قائم رہی۔ یہ عہد سیاسی، حکومتی اور تہذیبی اعتبار سے گوناگوں خوبیوں کا حامل رہا ہے۔ مغل حکمراں روایتی اور عقلی علوم کے سرپرست و شیدائی رہے۔ انھوں نے فقہ کو اپنی دلچسپی کا موضوع بنایا، چنانچہ ترک سلاطین کی طرح مغل حکمرانوں نے بھی فقہاء کو اپنے دربار سے قریب رکھا تاکہ ان کی رہنمائی میں شرعی مسائل حل کرسکیں۔ جن علماء کو مغل دربار سے قربت حاصل رہی ان میں ایک معتد بہ تعداد فقہاء کی تھی۔ ان فقہاء کو نقدی کے ساتھ ساتھ اوقاف کی زمینیں بھی عطا کی جاتی تھیں (جنھیں مدد معاش کا نام دیا گیا) تاکہ دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ علمی امور میں ان کی خدمات حاصل کی جاسکیں[1] فقہی علوم میں تشویق کی خاطر شاہانِ مغلیہ نے طلبہ کو روزینے دینے کا بھی اہتمام کیا۔ اس ضمن میں شہنشاہ اورنگ زیب کا کردار قابلِ ذکر ہے جس نے میزان، منشعب اور شرح وقایہ پڑھنے والے طلباء کے لیے روزانہ ایک آنہ، دو آنہ، اور آٹھ آنہ منظور کرکے فقہی علوم میں دلچسپی اور اس کے فروغ کا اہتمام کیا[2] مغل دورِ حکمرانی میں جن علماء کرام نے فقہ کے میدان میں تدریس و تصنیف کے ذریعہ خدمات انجام دیں ان میں حسب ذیل اصحاب نمایاں ہیں: عبدالاول جونپوری (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء) محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء)، میر کلاں اکبرآبادی (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) عبدالسلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) عبدالسلام دیوی (م ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء) عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) محب اللہ الٰہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۶ء) قاضی نورالحق اکبرآبادی (م ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء) قطب الدین سہالوی (م ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء) وجیہ الدین گجراتی (م ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) اور امان اللہ بنارسی (م ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۰ء) وغیرہ۔

---

[1] عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، کلکتہ، ۱۸۶۷ء، جلد اول ص ص ۳۴۰، ۳۴۲-۳۴۳۔ دوم ص ۵۵۔ محمد کاظم، عالمگیرنامہ، کلکتہ ۱۹۶۸ء، ص ص ۱۰۸۵-۱۰۸۶۔ محمد علی خاں، مرآۃ احمدی، مطبع فتح الکریم، بمبئی ۱۳۰۷ھ، جلد اول ص ص ۲۷۲، ۳۰۹، ۳۶۳، ۴۰۸، مآثرالکرام جلد اول ص ص ۲۲۱-۲۲۲۔

[2] حوالہ سابق۔ مزید دیکھئے عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۷ء ص ص ۲۲۵، ۶۸۱

عہدِ سلطنت کی طرح مغل حکومت میں بھی مدارس کے نصاب میں۔ فقہ اسلامی کو اہم جزو تسلیم کیا گیا۔ فقہ کی اس مقبولیت نے علما، کی حوصلہ افزائی کی چنانچہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اس کی ترقی میں لگ گئے جن کتبِ فقہ کو نصاب کا حصہ تسلیم کیا گیا ان میں شرح وقایہ، ہدایہ، حسامی اور التوضیح والتلویح خاص طور پر اہم ہیں[1]۔ کتبِ فقہ کی جن شروح وحواشی کو نصاب کی مددگار کتب کی حیثیت دی گئی ان میں قابلِ ذکر یہ ہیں: حاشیہ علی شرح وقایہ (نامعلوم مصنف) وجیہ الدین گجراتی کی حاشیہ علی الھدایہ اور حاشیہ علی التلویح[2] ان کتب کے علاوہ عہدِ وسطیٰ کے علما، کی دو کتب اور ہیں جنھیں درسِ نظامی کے نصاب کا حصہ قرار دیا گیا۔ محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء) کی مسلم الثبوت اور ملا احمد جیون (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء) کی نورالانوار[3] عہدِ مغلیہ فن فقہ میں مہارت اور اس کی تشکیل وتکوین کے لیے معروف رہا ہے چنانچہ اس میں عمومی کتب فقہ، شروح وحواشی، فتاویٰ کے مجموعے، رسائل وکتابچے وغیرہ کثیر تعداد

۱؎ جی ایم ڈی صوفی۔ المنہاج، ادارہ ادبیاتِ دلی، دہلی، ۱۹۴۱ء، ص ۴۹

۲؎ شبیر احمد قادری، عربی زبان وادب عہدِ مغلیہ میں، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۰

۳؎ عربی زبان وادب ص ۴۷، شبلی نعمانی، درسِ نظامی، مقالاتِ شبلی، مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء، جلد سوم ص ص ۱۰۰، ۱۰۳، مزید دیکھئے الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۶، مسلم الثبوت کے مخطوطات کے متعدد نسخے مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں موجود ہیں مثلاً فرنگی محل کلکشن، حبیب گنج کلکشن سلیمان کلکشن وغیرہ۔ اس کے دیگر نسخے خدابخش لائبریری، پٹنہ، انڈیا آفس لندن وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ملا احمد جیون کی شرح نورالانوار ۱۸۸۸ء افضل المطابع سے ۲۵۶ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے مخطوطات کے متعدد نسخے مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں سلیمان کلکشن، یونیورسٹی کلکشن، یونیورسٹی ضمیمہ کلکشن اور عبدالحیٔ کلکشن کے تحت دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے دیگر نسخے انڈیا آفس لندن، خدابخش لائبریری پٹنہ۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، رضا لائبریری رام پور، دارالعلوم دیوبند لائبریری اور آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اصول فقہ پر یہ دونوں کتابیں مصر سے بھی شائع ہو چکی ہیں۔

میں معرضِ وجود میں آئے۔ مغل دور میں بعض شہنشاہوں نے خود تصنیف و تالیف سے دلچسپی لی۔ چنانچہ عہدِ مغلیہ کے بانی بابر نے ترکی زبان میں مثنوی مُبین نامی رسالہ قلم بند کیا۔[۱] کتابِ مذکور میں اسلام کی بنیادی تعلیم اور شریعت کے عام اصول کی وضاحت کی گئی ہے۔ فقہ بابری[۲] معروف بہ فتاویٰ بابری (بزبان فارسی) نورالدین بن قطب الدین الخوافی نے ۱۶۷۰ء میں تیار کر لی تھی۔ ہمایوں کے دورِ حکومت (۱۵۳۰-۱۵۵۶ عیسوی) میں بھی فتاویٰ کی بعض کتب فارسی زبان میں تیار کی گئیں مثلاً امین بن عبداللہ مومن آبادی نے فتاویٰ امینیہ ۱۵۴۱ء کے آس پاس تیار کیا۔[۳] اسی طرح نصیرالدین لاہوری نے فتاویٰ براہنہ ۱۵۸۸ء میں تصنیف کی۔[۴] تمام مغل شہنشاہوں میں اورنگ زیب عالمگیر کا دورِ حکمرانی (۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) فقہ کی ترقی کے لیے کافی اہم مانا جاتا ہے۔ بادشاہ خود بھی اسلامی علوم کا دلدادہ تھا اور اس نے فقہِ اسلامی میں بہت دلچسپی لی۔ اسی طرح نظام ریاست میں شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں اس کی مثبت کوششیں تاریخ کا اہم جزو ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین بادشاہ کی ذاتی سرپرستی اور خصوصی دلچسپی کا مظہر ہے۔ اس شاہکار عربی تصنیف کا سہرہ اصلاً علماء کی اس منتخب کمیٹی کو جاتا ہے جس کی سربراہی شیخ نظام الدین برہانپوری (م ۱۶۷۹ء)

۱؎ ایم۔ اے۔ غنی۔ اے ہسٹری آف پرشین لنگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ، دی انڈین پریس، الٰہ آباد، ۱۹۲۹ء، ۱/ ۱۰۵، مزید دیکھئے المنہاج ص ۴۹۔ مذکورہ بالا کتاب کو در فقہ مبین بھی کہا جاتا ہے۔ زین الدین خوافی (م ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء) نے مثنوی مُبین کی فارسی میں ایک شرح بھی لکھی ہے۔ اسے مثنوی مبیّن کا نام بھی دیا گیا۔ مزید دیکھئے صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، مطبع معارف، اعظم گڈھ، ۱۹۷۳ء، جلد اول ص ۲۶-۱۲۔

۲؎ عبد المقتدر خان بہادر، کیٹلاگ آف دی عربک اینڈ پرشین مینی اسکرپٹس ان دی اورینٹل پبلک لائبریری ایٹ بانکی پور، پٹنہ ۱۹۲۸ - جلد ۱۴ ص ۸۶ مخطوطہ نمبر ۱۲۲۷ مزید دیکھئے بزم تیموریہ اول ص ۲۸

۳؎ ظفرالاسلام، ہمدرد اسلامکس ص ۱۰

۴؎ حوالہ سابق، مزید دیکھئے کیٹلاگ خدابخش لائبریری پٹنہ حصہ چودہ۔ مخطوطہ نمبر ۱۲۲۶۔

فرما رہے تھے[1] فتاویٰ عالمگیری متعدد ابواب وفصول پر منقسم ہے اس میں باریک سے باریک مذہبی، سماجی، اقتصادی، فوجداری اور بین الاقوامی مسائل زیرِ بحث آئے ہیں۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع رہا ہے۔ اس کے علمی استناد کی وجہ سے علماء، فقہاء، قضاۃ اور مفتیان حوالوں کے لیے اس کا سہارا لیتے ہیں اور اپنا موقف متعیّن کرنے میں اس سے مدد لیتے ہیں۔ معاصر ہندوستان کے قضاۃ بھی مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل میں فتاویٰ عالمگیری سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی حیثیت احناف کے درمیان ہدایہ جیسی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کئی زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی دورِ حکومت میں اس کا اردو اور فارسی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سید امیر علی[2] نے کیا اور اس کے منتخب ابواب کا انگریزی ترجمہ این۔ بی۔ اے بیلی نے بعنوان A Digest of Muhammatan Haneefea and Islamic law in India کر دیا ہے۔ عہدِ مذکور کے دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کے نام یہ ہیں: 'مختصر الفتاویٰ' نامی کتاب عبدالحمید بن عبداللہ ٹھٹھوی نے لکھی اس کو فتویٰ شافی بھی کہتے ہیں[3]۔ فتاویٰ سراجیہ بھی اسی عہد کی اہم تصنیف ہے جسے تابع محمد بن محمد سعید لکھنوی نے ۱۷۰۸ء میں تیار کیا تھا[4]۔ عمومی کتبِ فقہ میں مجمع البرکات کا ذکر بھی ضروری ہے جسے ابوالبرکات بن رکن الدین دہلوی نے اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں تصنیف کیا اور اس کے نام معنون کیا تھا۔ اس کتاب میں فقہ کی جزئیات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ کتابِ مذکور کی خاص بات یہ ہے کہ

---

[1] محمد اکرم، بادشاہ نامہ، کلکتہ، ۱۹۶۸ء، ص ص ۱۰۸۶-۱۰۸۷؛ خافی خاں، منتخب اللباب، کلکتہ، ۱۸۶۰ء، ۲۵۰-۲۵۱؛ ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری، کلکتہ، ۱۹۷۱ء، ص ۲۲۹-۲۳۰۔

[2] یہ ترجمہ فتاویٰ ہندیہ کے نام سے دس جلدوں میں نولکشور، لکھنؤ سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

[3] یہ کتاب شاہجہان آباد (موجودہ دہلی) میں ۱۰۶۸ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس کا ایک مخطوطہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے جس کا نمبر سبحان اللہ کلکشن نمبر ۱۳/۲۹۷ ہے۔ اس کے کل اوراق ۳۷۷ ہیں۔ [4] تعارف مخطوطات دارالعلوم دیوبند، جلد اول ص ۱۸۳، مخطوطہ نمبر ۵۲/۲۸۸

حوالوں کے لیے اس میں ان کتب کا انتخاب کیا گیا ہے جو عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں معرضِ تصنیف میں آئیں مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ، خزانۃ الروایات اور فتاویٰ حمادیہ وغیرہ۔ بعض تعبّدی مسائل میں قرنِ اول کے صحابہ میں جو اختلافِ رائے و عمل پایا جاتا تھا وہ آج تک جاری و ساری ہے۔ مغل دور کے قابلِ احترام علماء و فضلاء کے درمیان بھی یہ اختلافات موضوعِ بحث رہے۔ مثلاً رفعِ یدین، قرأۃ خلف الامام، زیارتِ قبور وغیرہ کے مسائل۔ ان کے علاوہ دیگر مذہبی و سماجی امور پر جو اس وقت سماج میں پائے جاتے تھے علیٰحدہ علیٰحدہ کتابچے اور رسائل تیار کیے گئے مثلاً شراب نوشی، نشیلی اشیاء کا استعمال، قمار اور جوا بازی، موسیقی، گانے اور اکابر مرحومین سے دعا و مناجات وغیرہ۔ ان موضوعات کا احاطہ کرنے والی چند کتب کے نام یہ ہیں: عصمت اللہ سہارنپوری (م ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء) کی رسالہ حرمت الغناء و المزامیر اور حدّ الفنا فی حرمت الغنا، حسین خباز کاشمیری کی ہدایۃ الاعمیٰ فی مبحث السماع، نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء) کی رسالہ فی نجاستہ الخمر وغیرہ۔ مذکورہ عہد میں فرائض و میراث پر بھی متعدد کتب لکھی گئی ہیں۔ ہندوستان میں بالخصوص ہندو مسلم تعلقات کی وجہ سے یہ مسئلہ پیچیدہ تھا اور اس کی گرہ کشائی آسان نہ تھی لیکن علماء نے اس کی گتھیوں کو سلجھانے کی سعی کی۔ اس مسئلہ پر درج ذیل کتابیں روشنی ڈالتی ہیں: عبدالاول زیدپوری (م ۹۶۸ھ/ ۱۵۶۰ء) کی نظم الفرائض السراجیہ، عبداللہ بن عبدالباقی نقش بندی (م ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء) کی رسالہ فی الفرائض، قاضی رکن الدین کیرانوی (م ۱۲۲۸ھ/۱۶۳۷ء) کی رسالہ فی المواریث وغیرہ۔

اصول فقہ، علم فقہ کا اہم حصہ ہے۔ اس فن کے ذریعہ فقہ کے مصادر، فقہی جزئیات کی تفتیش اور مسائل کا استقصاء نیز شریعت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ فقہ کے اس باب سے عوام الناس کے مقابلے میں فقہاء، قضاۃ، مفتیان اور اساتذہ کثرت سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ مغل دور کے علماء کرام اس کی فضیلت سے واقف تھے اور اس میدان میں ان کی گرانقدر تصنیفات اہلِ علم کے لیے روشنی فراہم کرتی ہیں۔ اس فن کی قابلِ ذکر کتب تحریر کی جاتی ہیں: کتاب المفسّر فی الاصول اور محکم الاصول از امان اللہ بن نور اللہ (م ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۱ء) مختصر فی الفروع از حبیب اللہ قنوّجی (م ۱۱۴۰ھ/ ۱۷۲۷ء) تنویر الحق

۲۴

از قطب الدین دہلوی (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) وغیرہ۔

عہدِ مغلیہ میں یہ مسئلہ بھی علماء کی بحث و تمحیص کا موضوع بنا رہا ہے کہ کسی مخصوص مکتبِ فکر کا راہی دوسرے مکتبِ فکر کی قیادت تسلیم کرسکتا ہے یا نہیں ؟ اس سلسلے میں دو علماء کرام کی تحریریں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک حمید بن عبداللہ ابراہیم السندی (م ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء) ہیں جنہوں نے القول الحسن فی جواز الاقتداء بالامام الشافعی فی النوافل والسنن لکھی[1]۔ دوسرے عالم دین رحمت اللہ سندھی (۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) ہیں آپ نے رسالہ فی الاقتدار بالشافعیہ والخلاف بذلک لکھ کر اس موضوع کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ عہدِ مذکور کی فقہی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ بعض کتابوں میں فقہ حنفی اور اس کے بانی امام ابوحنیفہ کی عظمت کا اظہار ہوا ہے۔ یہ غالباً فقہ حنفی سے عوام کی وابستگی کو باقی رکھنے اور کبھی کبھی اظہارِ تفاخر کے لیے لکھی گئیں۔ اس سلسلہ میں دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کی فتح المنان فی تائید النعمان[2] اور دوسری مولانا میر کلاں اکبر آبادی (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کی الاثمار الجنیۃ فی اثمار الحنفیہ۔

علم فقہ کے ان مختلف النوع مسائل و مباحث کے علاوہ علماء ہند نے عہدِ مغلیہ میں شروح و حواشی کی تیاری میں گہرے نقوش چھوڑے چنانچہ ذیل میں چند معروف و متداول شروح اور ان کے شارحین کے نام درج کیے جاتے ہیں :

نور الانوار فی شرح المنار از ملا احمد جیون (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء) شرح البسیط فی الفرائض اور شرح علی اصول البزدوی از وجیہ الدین گجراتی، شرح الجامی از یوسف بنانی لاہوری (م ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء) فتح القدیر شرح الہدایہ از قاضی محمد عیسیٰ جونا گڑھی (م ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۱۹ء) شرح الفرائض السراجیہ از عبدالاول زیدپوری (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء) شروح کو مزید مفید بنانے کے لیے علماء نے ایک نئے فن کو فروغ دیا جسے حواشی کے

---

[1] رضا لائبریری رام پور میں اس کا ایک مخطوط موجود ہے، ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ ریاست رام پور اول ص ۲۲۸ مزید دیکھئے نزہۃ الخواطر پنجم ص ۱۲۱، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۰۱۔

[2] فقہاء ہند، ۱۹۷۷ء جلد چہارم ص ۲۵۸۔

نام سے جانا جاتا ہے۔ اس دور کے تیار کردہ بعض مشہور و معروف حواشی کا ذکر بے محل نہ ہوگا، مثلاً الٰہ داد جونپوری (م ۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء) کی فصول الحواشی لاصول الشاشی، قاضی عبد النبی احمد نگری (م ۱۱۴۴ھ/ ۱۷۳۱ء) کی حاشیۃ الحامی اور حاشیہ علی الفرائض السراجیہ، وجیہ الدین گجراتی کی حاشیہ علی اصول البزودی، عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) کی حاشیہ علی الہدایہ اور عصمت اللہ سہارنپوری (م ۱۰۳۹ھ/ ۱۶۲۹ء) کی حاشیہ علی شرح الوقایہ۔

اسلامی ریاست کے نظم و نسق میں عدلیہ کا کردار بہت اہم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ابتدائی زمانہ سے لے کر آج تک مسلم ریاست اس پہلو پر زور دیتی رہی ہے۔ عہدِ مغلیہ میں حکمرانوں نے پوری ریاست میں عدالت کا نظام مستحکم رکھا چنانچہ اس کے نتیجے میں فقہِ اسلامی کی ترقی بھی ہوئی[۱] ریاست کے اس مخصوص ادارہ نے فقہِ اسلامی سے حکمرانوں کی دلچسپی کو دوچند کر دیا کیونکہ فن فقہ و فتاویٰ میں مہارت قاضی و مفتی کی حیثیت سے تقرری کے لیے شرط لازم قرار پائی۔ اسی طرح دیگر مذہبی اور عدالتی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اس فن کی اہمیت تسلیم کی جاتی تھی۔ ایک طرف فضلاء و علماء کے اندر عدالتی رہنمائی اور ریاست کی خدمت کرنے کی خاطر اس فن سے دلچسپی کا رجحان عام ہوا وہیں دوسری طرف مفتیان و قضاۃ کی مدد و رہنمائی کرنے کی خاطر بے شمار کتب تصنیف کی گئیں۔ اسی طرح فتویٰ نویسی اور تنازعات کا تصفیہ کرنے کے اصول و ضوابط مرتب کیے گئے جس کے نتیجے میں فتاویٰ کے بے شمار مجموعے تیار ہو گئے۔ اس میدان میں، جیسا کہ گذر چکا، اس عہد کا شاہکار کارنامہ فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف ہے۔

---

[۱] عہد مغلیہ کے عدالتی نظام کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے ملاحظہ کریں: محمد اللہ، دی ایڈمنسٹریشن آف جسٹس آف مسلم لاز، ادارہ ادبیاتِ دلّی، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ص ۶۴ – ۸۸۔ اشتیاق حسین قریشی، دی ایڈمنسٹریشن آف دی مغل امپائر، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ص ۱۸۷ — ۲۰۶۔ ایم بشیر احمد، دی ایڈمنسٹریشن آف جسٹس ان میڈیول انڈیا، کراچی، 1951ء، ص ص ۹۶-۱۳۳۔ وحید حسین، ایڈمنسٹریشن آف جسٹس ڈیورنگ دی مسلم رول ان انڈیا، ادارہ ادبیاتِ دلّی، دہلی ۱۹۷۷ء ص ص ۴۱ - ۵۹

مابعد عہدِ مغلیہ کی فقہی خدمات

اورنگ زیب کی وفات سے عہدِ مغلیہ کا زوال شروع ہوتا ہے۔ بعد کے نااہل حکمرانوں اور مرکزی ریاست کی کمزوری نے سیاسی میدان میں جمود و تعطّل اور انارکی و بے چینی کی فضا عام کردی۔ لیکن علمی فضا پر اس رویے کا ناخوشگوار اثر رونما نہیں ہوا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد کے عبوری دور (۱۷۰۷ - ۱۸۵۷ء) میں بعض ممتاز علماء نے اسلامی علوم خصوصاً فنِ فقہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ایسے علماء کی فہرست میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے فاضل فرزندگان اور علماءِ فرنگی محل کی خدماتِ جلیلہ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔[۱] شاہ ولی اللہ کے علاوہ عبدالعلی بحرالعلوم (م ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء) شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) خادم احمد فرنگی محلی (م ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء) اور عبدالحلیم فرنگی محلی (م ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) وغیرہ فتویٰ نویسی اور فقہی کتب کی تصنیف کے سلسلہ میں کافی معروف ہیں۔ مزید برآں اہلِ علم کے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس زمانے کا مدرسی نصاب بڑی حد تک درسِ نظامی پر مشتمل تھا جس کی بنیاد نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) نے رکھی۔[۲] درسِ نظامی کے نصاب میں فقہ کی جو کتب شامل تھیں ان کے نام یہ ہیں: شرح وقایہ، ہدایہ، نورالانوار، التوضیح والتلویح اور مسلم الثبوت۔ آخری کتاب جس کے مصنف محب اللہ بہاری ہیں، ہندوستان میں اصول فقہ پر یہ بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس سے اخذ و استفادہ بعد کے ادوار کے اساتذۂ کرام بھی کرتے رہے، اس کا نصاب میں صدیوں تک شامل رہنا اور اس کی پے درپے متعدد شروح کا تیار کیا جانا اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔[۳]

---

[۱] اے۔ ڈی۔ مضطر، شاہ ولی اللہ۔ اے سینٹ اسکالر آف مسلم انڈیا، اسلام آباد، ۱۹۷۹ء، ص ص ۸۶۔ ۱۲۵۔ مزید دیکھیے محمد اکرام، رود کوثر، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ص ۵۵۰، ۵۶۰، ۵۶۸۔

[۲] اورنگ زیب کے زمانہ میں فرنگی محل لکھنؤ کا ایک محلہ تھا جس میں ایک انگریز رہا کرتا تھا۔ قطب الدین سہالوی (م ۱۶۹۱ء) کو ان کی علمی برتری کے طفیل یہ محلہ عطیہ میں دے دیا گیا تاکہ اپنے علمی کاموں کو یکسوئی سے انجام دے سکیں۔

[۳] ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مطبع معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۷۱ء، ص ۹۹، رود کوثر ص ص ۶۰۵۔ ۶۰۷۔ مزید دیکھیے عبدالحئی، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (مترجمہ ابوالعرفان ندوی) مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء، ص ۱۸۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور ان کا سماجی وسیاسی منظر نامے پر حاوی ہو جانا نئے نئے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوا جن کا حل علمائے کرام نے شریعت کے نقطۂ نگاہ سے تلاش کرنے کی سعی بلیغ کی۔ مسائل کی لمبی فہرست میں سے چند کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ مثلاً انگریزی اور سائنس کی تعلیم کا حصول، انگریزوں کی ماتحتی میں ملازمت، ان سے سود لینا، اکل وشرب اور لباس میں ان کے طور طریقوں کو اختیار کرنا، ہندوستان کی شرعی حیثیت، سماجی تعلقات اور غیر مسلموں سے معاشی لین دین وغیرہ[1]۔ یہ سارے مسائل عموماً فتویٰ واستفتاء کی شکل میں فتاویٰ کے مدوّن مجموعوں میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً اس دور کے یادگار مجموعوں میں محمد اسحٰق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء) کی افتائے ہندی اور مفتی شرف الدین رامپوری (م ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء) کی الفتاویٰ الشریفیہ کافی معروف ہیں۔ چند کتب فن فتویٰ نویسی اور اس ذیل میں مفتی کے لیے ضروری شرائط کی بابت بھی تصنیف کی گئیں۔ مثلاً خادم احمد فرنگی محلی (م ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء) کی زاد التقویٰ فی آداب الفتویٰ[2] اس ذیل کی اہم کتاب ہے۔

مابعد مغلیہ عہد کے علمائے کرام ہمیشہ کی طرح سماجی مسائل کے حل کرنے میں لگے رہے، جس کا اندازہ فتاویٰ کے مجموعوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے لیکن دوسری طرف انھوں نے نئے مسائل کے لیے الگ الگ تصنیفات بھی قلم بند کیں تاکہ زیادہ سے زیادہ چیزیں پڑھی اور اخذ کی جاسکیں۔ چنانچہ گاؤں میں جمعہ کی نماز کا قیام، وقتی شادی (متعہ) صوفیا و اکابرین امت کی قبروں کی زیارت کے اصول وآداب، آداب طعام ولباس، لاٹری، اور کمرشیل سود وغیرہ مسائل پر باضابطہ تصنیفی کام الگ الگ کتابچوں کی شکل میں ہوا۔ چند کتب کے نام ذیل میں لکھے جاتے ہیں: نشوۃ الارتیاح فی بیان حقیقۃ المیسر و القداح از مرتضیٰ زبیدی (م ۱۷۹۱ء) رسالہ حرمت واباحت سرود، رسالہ حرمت متعہ اور رسالہ فی تحریم الغنا از ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۸۱۰ء) رسالہ فی اثبات الجمعۃ والجماعۃ از سید دلدار علی (م ۱۸۱۹ء) رسالہ فی جواز الاستغاثۃ والمیلاد از محمد عابد سندھی (م ۱۸۱۴ء) غایۃ البیان

---

[1] شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی (تصحیح از عبدالاحد) مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۱۱ھ، ص ص ۸، ۱۲، ۱۷، ۳۲، ۹۱، ۱۱۴، ۱۱۶۔

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۵۶۔ حدائق الحنفیۃ، ص ۴۷۶۔

فیما یتعلق بالحیوان از محمد مبین لکھنوی (م ۱۸۴۲ء) رسالہ زیارت القبور از جلال الدین برہانپوری (م ۱۸۵۷ء) نورالایمان بزیارتِ آثارِ حبیب الرحمٰن اور عمدۃ التحریر فی بیان مسائل اللون و اللباس والحریر از عبدالحلیم فرنگی محلی (م ۱۸۶۸ء)

قانونِ فوجداری پر جو کتب تصنیف کی گئیں ان میں جامع التعزیرات من کتب الثقات مؤلفہ سراج الدین علی خان[1] بہت مشہور رہے۔ اس کتاب میں جرائم اور ان کی سزائیں اور مقصدِ شریعت کی تنفیذ سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم قانونِ فوجداری کے لیے ہندوستان کی حکومتِ برطانیہ اس کتاب کو قانون کا درجہ دیتی تھی۔ فقہ حنفی کے مطابق جرائم اور اس کی تمام جزئیات سے بالتفصیل بحث کی گئی ہے۔

عہدِ مذکور میں ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت حنفی مسلک کی پیروکار تھی، البتہ دیگر مکاتبِ فقہ کے حاملین بھی جنوبی ہندوستان اور سندھ کے علاقوں میں پائے جاتے تھے، ان علماء نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق فقہ پر کتابیں قلم بند کیں۔ تین کتابیں کافی معروف ہیں۔ البیاض الجامع فی اقوال الفقہاء از محمد ہاشم سندھی (م ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۰ء) کفایۃ المبتدی فی فقہ الشافعی از محمد غوث مدراسی (م ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء) اور الفوائد الصبغیۃ فی فقہ الشافعیۃ از عبداللہ بن صبغۃ اللہ مدراسی (م ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء)

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں اہلِ حدیث مسلک کا سراغ ملتا ہے۔ اگرچہ فقہی دبستان میں یہ کوئی انفرادیت قائم نہیں کرسکا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس مسلک کے علماء ذی کمال نے مسائل شریعت کے حل کے لیے اصول وضوابط وضع کیے جو دیگر معروف مکاتبِ فقہ سے جدا ہیں[2] مذکورہ مسلک کے ابتدائی فقہاء میں مولانا فاخر زائر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۰ء) تسلیم کیے جاتے ہیں، لیکن تاریخی طور پر باضابطہ الگ مکتبِ فقہ کی حیثیت سے اہلِ حدیث جماعت کا نشوونما ۱۸۳۱ء

---

[1] سراج الدین علی خان ۱۸۰۵ء میں کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت جج کے منصب پر فائز تھے۔ مذکورہ کتاب مطبع عین الاعیان کلکتہ سے ۱۸۲۰ء میں طبع ہوئی۔

[2] محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، تاریخ اہلِ حدیث۔ نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص ص ۱۴۸، ۱۸۷، ۱۹۰، ۲۰۵، ۲۰۸۔

کے بعد ہوا ہے [1] مولانا فاخر زائرؔ نے فارسی زبان میں ایک منظوم رسالہ رفع یدین کے موضوع پر لکھ کر نماز میں اس کے مسنون ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس رسالہ کا عنوان ہے : منظومۃ قرۃ العینین در اثبات سنت رفع یدین [2]۔ مذکورہ مکتبِ فکر کے فقہی اصول وضوابط کی تعبیر وتشریح اور ترویج واشاعت میں شاہ اسماعیل شہیدؒ (م ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء) کا کردار تاریخی ہے۔ آپ نے تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین [3] میں اصولی گفتگو فرمائی ہے۔ مسلکِ اہلِ حدیث کے درمیان اس کتاب کو اصولِ فقہ کی تفہیم و تشریح کے لیے مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ تقلید کے خلاف تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ کسی بھی صحیح اور راجح حدیث کی موجودگی میں مخصوص امام کی اتباع صحیح نہیں ہے [4] احناف اور اہلِ حدیث علماء کے درمیان چند عباداتی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔ دونوں مکاتب کے ائمہ وفقہاء نے اپنے موقف کی تائید اور دوسرے کی مخالفت میں کتابچے اور رسائل لکھے۔ چند اختلافی مسائل کے ذکر سے اس امر کی وضاحت ہو سکے گی : فاتحہ خلف الامام، سورۂ فاتحہ کے آخر میں بآوازِ بلند آمین کہنا، رکوع سے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جانا (رفع یدین) اور مسح علی الخفین وغیرہ۔ ان موضوعات پر اس عہد میں عربی زبان میں جو کتب تصنیف کی گئیں ان میں قابلِ ذکر کتب یہ ہیں : قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین از فاخر الٰہ آبادی بن یحییٰ عباسی (م ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۱ء) تنقیح الکلام عن قرأۃ خلف الامام، رسالہ وضع الیدین تحت السرۃ اور کشف الرین عن مسائل رفع الیدین از محمد ہاشم سندھی (م ۱۷۶۰ء)، غایۃ الکلام فی قرأۃ خلف الامام از محمد معین لکھنوی (م ۱۸۴۲ء)، رسالہ فی جواز مسح علی الخفین از محمد قلی حسین (م ۱۸۴۴ء) رسالہ منع قرأۃ الفاتحہ خلف الامام از خرم علی بلہوری (م ۱۸۵۶ء)

---

[1] مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۱ھ، ص ۲۱۲

[2] ابویحییٰ امام خان نوشہروی، تراجم علماء اہل حدیث، برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۱ء، جلد اول ص ۳۳۷

[3] یہ کتاب مطبع مجتبائی، دہلی سے ۱۲۷۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ تعداد صفحات ۴۸

[4] تنویر العینین ص ۳۸۔

عہدِ سلطنت کی طرح اس عہد میں بھی فقہی اختلاف وافتراق کے اسباب وکیفیات پر علماء کرام نے بحث ومباحثہ کیا اور انھیں کتابی شکل دی۔ علماء کرام اور فقہاء عظام کے درمیان نیز امتِ مسلمہ کے مابین پائے جانے والے اختلافات کے اسباب پر عالمانہ وفاضلانہ مقالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۲ء) نے لکھا جس کا نام "الانصاف فی اسباب الاختلاف" ہے۔ کتاب مذکور میں شاہ صاحب نے اپنے معاصر علماء کو مشورہ دیا ہے کہ چاروں فقہاء کرام قدر کے لائق ہیں اور کسی ایک کی برتری وفوقیت اور دوسرے کی تخفیف صحیح طرزِ عمل نہیں ہے[1]۔ اسی موضوع پر بعض اور کتابیں تصنیف کی گئیں، مثلاً ایقاف علی سبب الاختلاف از محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) ازالۃ النعمہ فی اختلاف الائمہ از محمد حیات غوث مدراسی (م ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) بعض کتابوں میں اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کیا کسی خاص امام کا مقلد دوسرے امام کی تقلید کر سکتا ہے۔ چنانچہ اقتدار بالمخالفین (از محمد حیات سندھی) اسی قبیل کی تصنیف ہے۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان میں اجتہاد وتقلید پر علماء کی مجالس میں زور دار بحثیں ہوئیں کیونکہ ان دونوں صدیوں میں تقلید کی طرف رجحان بڑھتا اور شریعت کا اجتہادی ذوق گوناگوں مصالح کا شکار ہوتا جا رہا تھا[2]۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس موضوع پر "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" جیسی کلیدی تصنیف تحریر فرمائی۔ شاہ صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ معاصر علماء سے درخواست کی کہ مسائلِ شریعت کے استنباط واستخراج میں قرآن وحدیث سے براہِ راست رہنمائی حاصل کریں۔ آپ نے شرائطِ اجتہاد اور مجتہدین کی اقسام نیز طریقۂ اجتہاد کی وضاحت کی[3]۔ عقد الجید نے ان دو صدیوں کے ائمہ کرام اور فقہاء عظام کو غور وفکر کے نئے زاویے

---

[1] الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف (تصحیح عبد الفتاح ابوغدہ) بیروت، ۱۹۷۷ء، ص ص ۱۰۱، ۱۰۵۔

[2] شاہ ولی اللہ۔ اے سینٹ اسکالر آف مسلم انڈیا، ص ۱۰۴۔

[3] عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (مترجمہ محمد عبد الاحد) مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۴ھ ص ص ۱۰۔۵۱
مزید دیکھئے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف"، ص ص ۷۷، ۷۹، ۸۰۔۸۱۔

اور گوشے فراہم کیے۔ شاہ صاحب کے اس کارنامہ کا اثر یہ ہوا کہ انیسویں صدی میں علما کا ایک گروہ اس فکر کا حامل ہوگیا کہ اجتہاد شرعی احکام کی تشریح وتعبیر اور نفاذ وعمل کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ اس طرح کے علما میں دو نام قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے عربی زبان میں اپنی تصانیف کے ذریعہ اس فکر کی تائید وتوثیق کی۔ ایک عبدالحق نیوتنوی (م ۱۸۶۰ء) جنھوں نے الرسالہ فی ابطال التقلید لکھی، دوسرے عبداللہ صدیقی الٰہ آبادی جنھوں نے السیف الحدید فی قطع المذاہب والتقلید حوالہ قلم کی۔[1]

دیگر مسالکِ فقہ کی طرح ان دونوں صدیوں میں اہل تشیع نے بھی عربی زبان کے ذریعہ فقہ کی ترقی میں حصہ لیا۔ خصوصیت کے ساتھ اجتہاد جیسا اہم عنوان اس حلقہ میں گفتگو کا موضوع بنا۔ چنانچہ سید دلدار علی (م ۱۸۲۰ء) اور ان کے صاحبزادے محمد بن دلدار علی (م ۱۸۶۸ء) نے قیاس کے خلاف اور اجتہاد کے احیاء کی بات کی اور 'اساس الاصول' اور احیاء الاجتہاد لارشاد العباد' تحریر کی۔[2]

علماء ہند کی ان فقہی خدمات کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ خدمات اپنی وسعت وضخامت کے اعتبار سے کافی وقیع قرار دی جاسکتی ہیں، ان میں سے بیشتر کئی کئی مجلدات میں ہیں لیکن طرزِ تحریر میں قدامت پسندی کا عنصر غالب ہے۔ کام کا بڑا حصہ تشریحات، توضیحات اور مشکل عبارتوں کے حل پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی بڑی حد تک صحیح ہے کہ ان تمام تصنیفات میں تقلیدی ذوق ابھرا ہوا ہے۔ مسائل کی تشریح کے دوران فقہاء اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ معروف حنفی علماء کی آراء سے استفادہ کریں اور عہدِ قدیم کی معتبر حنفی کتب کے حوالے دیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے براہِ راست اخذ واستفادہ اور استشہاد کی کوششیں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اس عہد کے ضخیم فتاویٰ کے مجموعوں میں بہت سے ایسے مسائل سے بھی بحث ملتی ہے جن کا تعلق

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد ہفتم ص ص ۳۱۲-۳۱۴

[2] اساس الاصول، مطبع محمدیہ، ۱۲۶۴ھ، ص ص ۴، ۲۰-۲۲۴، ۲۱۷، ۲۳۰۔ مزید دیکھیے نزہۃ الخواطر ہفتم ص ۴۲۵، رودکوثر ص ص ۶۱۶-۶۶۰۔

وقت کے سماجی، معاشی اور حکومتی معاملات سے تھا۔ یہ وہ مسائل تھے جو عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں ہندو مسلم تعلقات اور بعد میں برطانوی حکومت کے استحکام کی وجہ سے ابھرے تھے۔ بعض جدید مسائل، جو اس عہد کی فقہی کتب میں پائے جاتے ہیں، یہ ہیں: نماز میں متنِ قرآن کو فارسی میں پڑھنا، نکاح و طلاق کے لیے فارسی جملوں کا استعمال، ہندوؤں کی شرعی حیثیت، موسیقی کا استعمال، نااہل حکومتی کارندوں کی سرزنش، ہنڈی کا استعمال، بعض مسکر و نشہ آور چیزوں کا استعمال، غیر مسلموں کے ماتحت روزگار حاصل کرنا، انگریزوں سے لین دین، شیعہ و اہل سنت کے مابین نکاح، انگریزی اور سائنس کی تعلیم کا حصول وغیرہ۔

اسلامی نظام معاشرت پر اعتراضات کا مسکت جواب

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ پر مخالفین کے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے اور بہت مدلل انداز میں ان کا رد کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اسلام کے زیر سایہ عورت کو حاصل حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں مہر، نفقہ، تعدد ازدواج، طلاق، نفقہ مطلقہ، خلع، حجاب، وراثت، قصاص، دیت، شہادت، خاندان کی سربراہی اور سیاسی قیادت جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ مصنف نے بدلائل واضح کیا ہے کہ ان تمام مسائل میں اسلام نے عورت کی مخصوص جسمانی صلاحیت اور طبعی رجحانات و میلانات کی بھرپور رعایت کی ہے اور اس کے حقوق اور ذمہ داریوں میں توازن رکھا ہے۔ تیسرا ایڈیشن۔ صفحات ۲۰۰۔ قیمت ۶۰ روپے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی نے The Rights of MUSLIM WOMAN - An Appraisal کے نام سے شائع کیا ہے۔ صفحات: ۲۴۴ قیمت ۷۰ روپے

اس کا ہندی ترجمہ بھی اشاعت کے مرحلے میں ہے۔

ملنے کے پتے
(۱) ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ۔ ۱
(۲) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ابوالفضل انکلیو۔ نئی دہلی۔ ۲۵